غَزالی یا غَزّالی

DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY JAMIA NAGAR

(۲)

محمد عُزیر بہاری ۔ مرکزی دار العلوم ریوڑی تالاب بنارس

جہاں تک میں نے تمام دلائل پر غیر جانب داری کے ساتھ غور کیا ہے اس سے میرے نزدیک تخفیف ہی کا مسلک صحیح نظر آیا۔ ذیل میں اس کے وجوہ پیش کر رہا ہوں:

سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ خود امام غزالی سے متعدد حضرات (مثلاً صلاح الدین صفدی اور نووی ــ اور دونوں سے نقل کرتے ہوئے [علی الترتیب] طاش کبری زادہ اور محمد بن طاہر پٹنی) نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے غَزّالی بالتشدید کو ناپسند کیا ہے اور فرمایا کہ میں غَزالی ہوں غَزالہ کی طرف منسوب ــــ بعض علماء نے تو اس سلسلہ میں یہاں لکھا ہے کہ امام موصوف نے فرمایا:

من قال لی الغَزّالی فقد سبّنی [۱] جو شخص مجھے غَزّالی کہتا ہے وہ دراصل مجھے گالی دیتا ہے۔

ظاہر ہے خود امام صاحب سے منقول کسی روایت کا انکار ممکن نہیں۔ خصوصاً

---

[۱] التصریح فی شرح التشریح ص ۴ [حاشیہ از مولانا حفیظ اللہ ہندوی (م ۱۳۶۲ھ)] (طبع مکتبہ رحیمیہ دیوبند ۱۳۸۶ھ)۔

جب کہ یہ بھی تصریح ہو کہ انھوں نے اپنی کسی تصنیف میں بھی یہ بات لکھی ہے۔ جیسا کہ صلاح الدین صفدی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمیں ان کی کسی تصنیف میں یہ بات نہیں ملی، ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ اولاً ان کی تمام تصانیف دستیاب ہی کہاں ہیں؟ ثانیاً جو موجود و مطبوع ہیں ان کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کس نے کر لیا ہے کہ اس کی بنیاد پر وہ قطعی انکار کا پہلو اختیار کرتا ہے۔ پھر جبکہ امام صاحب کے حوالہ سے اس کے خلاف تشدید کی روایت کسی نے نہیں بیان کی ہے۔ تو تخفیف والی روایت کی صحت میں شبہ کیوں؟

دوسری وجہ یہ ہے کہ امام موصوف کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ مجد الدین بن محمد بن محی الدین ابو الطاہر شروان شاہ بن ابو الفضائل فخر آور بن عبید اللہ ابن ست النساء بنت امام غزالی" نے بھی فرمایا ہے کہ لوگ غلطی سے ہمارے نانا کو غزّالی (بہ تشدید) کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ غزالی (بہ تخفیف) ہیں ـــــ ہم ابھی نقل کر آئے ہیں کہ علامہ فیّومی نے خود شیخ موصوف سے سن کر ان کا یہ بیان کتاب میں درج کیا ہے۔ پھر سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی نے بھی اسے قابل توجہ سمجھ کر اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ پس اس بیان کی صحت میں بھی ہمارے نزدیک کوئی شبہ نہیں۔ اس پر وارد کئے جانے والے اعتراض کو ہم بالکل پھسپھسا سمجھتے ہیں، غور کیجئے قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی کیا لکھ رہے ہیں:

"ممکن ہے یہ روایت ان کے خاندان میں چلی آئی ہو، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ غزالہ کی نسبت خود امام صاحب کے خاندان والوں کو مدت دراز کے بعد معلوم ہوئی ہو؟ جبکہ اس قریہ کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ اور کیا یہ ہو سکتا ہے کہ سوائے بعض باخبر آدمیوں کے تمام خاندان والوں نے اس کو بھلا دیا ہو؟ اور پھر لوگ

اس کو مشدد بولنے اور پڑھنے لگے ہوں[1]؟"۔

ہم کہتے ہیں کہ یقیناً یہ روایت ان کے خاندان میں اس وقت تک برابر چلی آئی تھی۔ کیونکہ امام غزالی سے اس طرح کے متعدد اقوال ہم ابھی نقل کر آئے ہیں جن سے حقیقت حال کا پتہ چلتا ہے۔ پس امام صاحب کے نواسے کے اس بیان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ چونکہ عام طور پر تمام لوگ بالتشدید ہی پڑھا اور بولا کرتے تھے اس لئے وہی رائج ہوگیا اور تخفیف والی روایت اور امام صاحب کے خاندان والوں کے بیانات کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا۔ یہ بات نہیں تھی کہ انھوں نے تخفیف والی روایت بھلادی ہو۔ بلکہ "غلط العوام" کے آگے کسی کے صحیح بیان کا فائدہ ہی کیا ہوسکتا تھا؟

اس توضیح سے یہ شبہ دور ہوجاتا ہے کہ یہ روایت صرف چند آدمیوں کو مدت دراز کے بعد معلوم ہوئی تھی ــــ باقی رہا غزالہ کا نام و نشان مٹ جانا تو اس کی بابت چند سطور کے بعد ہم لکھیں گے۔

بہرحال جیسا کہ ناظرین ملاحظہ فرمارہے ہیں اس اعتراض سے نہ تو ہمارے موقف کی تردید ہوتی ہے اور نہ ہمارا استدلال ہی کمزور ہوتا ہے۔

ان دو بنیادی وجوہ کے بعد ہم قائلین تخفیف کی پیش کردہ تصریحات پر غور کریں گے۔ اور انھوں نے جن اسباب کی بنا پر غَزَالی (بہ تخفیف) کو صحیح قرار دیا ہے ان کی توضیح اور ان پر وارد کئے گئے اعتراضات کی حقیقت بیان کریں گے:

سبھی حضرات اس سلسلہ میں تقریباً یک زبان ہیں کہ غَزَالی "غَزَالہ" کی طرف منسوب ہے، یعنی کسی نے یہ نہیں کہا کہ "غَزَال" کی طرف اس کی نسبت ہے ــــ البتہ "غَزَالہ" کیا

---

[1] معارف (اعظم گڈھ) جون ۱۹۲۹ء ــــ ۲۳/۶/۴۱۴-۴۱۵۔

ہے؟ اس کے بارے میں تین رائیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ "غزالہ" طوس کا ایک گاؤں ہے۔ سمعانی، نووی، ابن دقیق العید اور دوسرے مورخین (جن کے اقوال کی تفصیل ہم پہلے دے چکے ہیں) نے یہی توجیہ کی ہے۔ خود امام موصوف اور ان کے نواسے سے بھی یہی منقول ہے۔ اس لئے اس کی صحت کا انکار ممکن نہیں۔

بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ طوس کے اندر غزالہ نام کے کسی گاؤں کا ذکر جغرافیہ کی اکثر مشہور و متداول کتابوں میں نہیں ملتا۔ اس لئے غزالی کو غزالہ گاؤں کی طرف منسوب سمجھنا درست نہیں ـــ متقدمین میں غالباً کسی سے بھی اس طرح کا انکار منقول نہیں[1] البتہ دور حاضر کے بعض علماء مثلاً علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) اور قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ "غزالہ" طوس میں کسی گاؤں کا نام نہیں[2]۔

میرے خیال میں غالباً ان حضرات نے یاقوت حموی (م ۶۲۶ھ) کے اس بیان پر غور نہیں کیا:

ولهما اكثر من الف قرية[3] — (طوس کے) دونوں شہر (طابران اور نوقان) کے تحت ایک ہزار سے زیادہ گاؤں ہیں۔

---

[1] ابن السمعانی کی طرف غلط طور پر جو کچھ منسوب ہے اس کی حقیقت ہم شروع میں واضح کر چکے ہیں۔

[2] دیکھئے: الغزالی ص ۲ (طبع اعظم گڈھ ۱۹۵۶ء)؛ تذکرہ حضرت امام غزالی ص ۴ (طبع دہلی ۱۹۶۲ء)؛ معارف (اعظم گڈھ) جون ۱۹۲۹ء

[3] معجم البلدان ۶/۷۰ (مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۰۶ء)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ طوس میں مشہور گاؤں کے علاوہ بہت سے غیر معروف گاؤں بھی آباد تھے۔ پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ ان ہی میں سے کسی گاؤں کا نام "غزالہ" ہو؟ کیونکہ بدیہی بات ہے کہ امام موصوف "طوس" کے شہر "طابران" کے کسی نہ کسی گاؤں سے ضرور تعلق رکھتے تھے۔ ہم قائلین تشدید سے پوچھتے ہیں کہ اگر وہ گاؤں غزالہ نہیں ہے (حالانکہ اس کے وجود کی شہادت متعدد علماء نے دی ہے) تو پھر اس کا نام کیا ہے؟ کیا وہ طوس کے ہزاروں گاؤں کی فہرست مرتب کر سکتے ہیں؟ ــــ پس جب وہ دوسرے تمام گاؤں کی تفصیل نہیں پیش کر سکتے (اور اس کی وجہ سے ــــ ان کا انکار بھی ممکن نہیں) تو صرف "غزالہ" (جس کا ذکر بھی بعض علماء کی زبانی ملتا ہے) سے لاعلمی کا اظہار کیوں؟

ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام غزالی جیسے مشہور مفکر اور عالم کی جائے پیدائش کو عام لوگ فراموش کر دیں؟ ــــ میں کہوں گا کہ اس طرح کی ایک دو نہیں بہت سی مثالیں موجود ہیں، دور جانے کی ضرورت نہیں، جن لوگوں نے سید جمال الدین افغانی (۱۸۹۷ء) کے حالات پڑھے ہوں گے انھیں علم ہوگا کہ نہ صرف گاؤں بلکہ کس ملک میں وہ پیدا ہوئے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ ایرانی آج بھی مصر ہیں کہ سید صاحب اسد آباد (ایران) میں پیدا ہوئے، اور افغانی شد و مد کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا مولد اسعد آباد (افغانستان) ہے۔ بتائیے جب آج یہ حال ہے، تو گذشتہ صدیوں میں (جب کہ موجودہ وسائل بھی مہیا نہ تھے) ایسا ہونا کیوں مستبعد ہے؟

بہر حال یہ متحقق ہے کہ امام غزالی غزالہ گاؤں کی طرف منسوب ہیں، منکرین کی کوئی دلیل اس کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) دوسرا سبب بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ امام موصوف "غزالہ بنت کعب الاحبار" کی اولاد سے ہیں اس لئے اس کی طرف منسوب ہو کر غزالی کہلائے جیسا کہ

گذر چکا۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نے یہ قول نقل کیا ہے۔ سید مرتضیٰ زبید بلگرامی نے بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

وھذا ان صح فلا محید عنہ[1] اگر یہ صحیح ہو تو پھر اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ قول بھی بالکل رد کر دئے جانے کے قابل نہیں۔ بلکہ اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کے قائل اور ماخذ وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا، دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ امام موصوف غزالہ بنت کعب الاحبار کی اولاد سے تھے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر ان کا سلسلۂ نسب موصوفہ کے علاوہ کسی دوسری شخصیت تک منتہی ہوتا ہے تو اس کا بھی سرے سے علم نہیں ـــــ پس بات تعارض کی یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ البتہ پہلا سبب (جو اصل کا درجہ رکھتا ہے) متحقق ہو جانے کے بعد اس دوسرے سبب کی حیثیت ضمنی اور تائیدی ہو جاتی ہے۔

(۳) تیسری وجہ زویمر (S. M. Zwemer) اور بعض دوسرے مستشرقین نے یہ بیان کی ہے کہ "غزالہ" دراصل ایک خاندان کا نام ہے ـــــ ہم اس پر بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، کیونکہ اگر "غزالہ" کو کسی گاؤں یا شخصیت کا نام قرار دینا صحیح ہے، تو پھر مزید غور و خوض کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہم نے محض تائیداً اس توجیہ کا ذکر کیا ہے۔ بعض جدید تذکرہ نگاروں نے بھی لکھا ہے کہ دیگر وجوہ کی موجودگی میں اس کی کوئی ضرورت نہیں[2]۔

قائلینِ تخفیف کے موقف کی توضیح کے بعد ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ قائلینِ تشدید کے دلائل

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین ۱/۱۸

[2] ڈاکٹر زکی مبارک: الاخلاق عند الغزالی ص ۲۹ (مطبعہ رحمانیہ مصر)

کا بھی مختصر جائزہ لیں اور انھیں نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھیں ، ورنہ بحث تشنہ رہ جائے گی :

(۱) ان کا مشہور استدلال یہ ہے کہ امام موصوف کے والد کا پیشہ "غزل" (ریسماں فروشی) تھا، جیسا کہ بعض کتب تذکرہ میں اس کی تصریح موجود ہے، چنانچہ اس لفظ کی طرف منسوب ہوکر "غزّالی" کہلائے، اگرچہ عربی زبان میں کسی پیشے کی طرف نسبت کا جو قاعدہ ہے اس کی رو سے صرف "غزّال" کہنا چاہیئے تھا جیسا کہ "تمّار" اور "جرّاح" وغیرہ ہیں لیکن خوارزم اور جرجان والے عموماً اس طرح کے الفاظ کے اخیر میں یار ـــ بقول شہاب الدین خفاجی ـــ تاکیداً بڑھا دیتے ہیں چنانچہ عطّار کو عطّاری، اور قصّار کو قصّاری کہتے ہیں، اس طرح غزّال کے بجائے غزّالی ہی زبان زدعام ہوگیا۔

ابن خلکان، ابن دقیق العید، ابو الفدار، ذہبی وغیرہم نے صرف اسی توجیہ کے ذکر پر اکتفار کیا ہے۔ ابن الأثیر نے دوسری وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ غزّالی غزّال کی طرف منسوب ہے جو "بائع الغزل" (ریسماں فروش) کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں "یار" کو زائد نہیں ماننا پڑے گا۔

ہمیں اس استدلال سے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہیں : پہلی بات تو یہ کہ اس طرح کی کوئی روایت خود امام صاحب یا ان کے خاندان والوں میں سے کسی سے منقول نہیں ہے، جبکہ اس کے برخلاف تخفیف کی روایت متعدد حضرات نے ان سے نقل کی ہے۔ پس اس ناحیہ سے تشدید کا قول اور اس کی یہ توجیہ اصولی طور پر کمزور پڑتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ ابن الاثیر کی تصریح "والتخفیف خلاف المشھور" سے ظاہر ہوتا ہے کہ تشدید والا قول چونکہ زیادہ مشہور اور رائج تھا اس لئے اسی کو مستند سمجھ لیا گیا، گویا غزالی (بہ تخفیف) کو غلط قرار دینے کی کوئی ٹھوس بنیاد نہ

تھی[1]۔ اس توضیح سے قائلینِ تشدید کے موقف کا ضعف صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے یہاں کوئی شخص کہہ پڑے کہ بات صرف اتنی سی نہیں ورنہ ابن دقیق العید قطعیت کے ساتھ تشدید ہی کو کیوں صحیح قرار دیتے؟ سیوطی تخفیف والے قول کی تضعیف کیوں کرتے؟ اور ابو الفداء، ذہبی اور ابن العماد صرف تشدید والا قول ہی کیوں ذکر کرتے؟ ـــــ ہم کہیں گے کہ ان تینوں کو صرف یہی قول معلوم رہا ہوگا کیونکہ یہی عام طور پر مشہور تھا۔ رہی سیوطی کی تضعیف، تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان سے متقدم اور ان سے زیادہ مستند عالم نووی نے تشدید کو عوام کا لحن قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ نووی کا پایہ لغت میں سیوطی اور ابن دقیق العید سے کہیں بلند ہے۔

تیسری بات یہ کہ خود امام صاحب کے زمانے میں جو لوگ غزّالی بالتشدید بولا کرتے تھے ان کے پیشِ نظر یہی تھا کہ موصوف غَزْل یا غَزّال کی طرف منسوب ہیں، کیونکہ ان کے خاندان میں یہ پیشہ رائج رہا ہے ـــــ مگر امام موصوف اور ان کے نواسے نے اس کی تردید اس لئے ضروری سمجھی کہ یہ سب لوگوں کی قیاسی باتیں ہیں، حقیقت میں وہ اس پیشہ کی طرف نہیں بلکہ غزالہ گاؤں کی طرف منسوب ہیں۔

چوتھی بات یہ کہ "غزالی" کی نسبت سے امام صاحب، ان کے بھائی، چچا اور ان کی نسل کے دوسرے لوگوں کے علاوہ بہت سے حضرات مشہور ہیں[2]، کیا ان سب کا خاندانی

---

[1] یہ صرف میں ہی نہیں کہتا۔ دورِ حاضر کے بعض علماء نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھئے: عبداللطیف الطیباوی کی "التصوف الاسلامی العربی" ص ۴۴۔

[2] طوالت کے خوف سے ہم یہاں ہر ایک کا نام نہیں لکھ رہے ہیں۔ دیکھئے: طبقات الشافعیہ للسبکی ۴/۹؛ ۴/۲۴۲؛ ۴/۲۸۴؛ طبقات الشافعیہ للاسنوی ص ۳۴۷ ترجمہ نمبر ۸۸۶ (مخطوطہ کتب خانہ خدا بخش پٹنہ)؛ کشف الظنون ۲/۲۶۱ (مطبعۃ العالم ۱۳۱۰ھ)؛ المنجد فی الاعلام ص ۳۷۷ (طبع بیروت ۱۹۶۹ء) وغیرہ۔

پیشہ ریسماں فروشی تھا؟ اگر یہ ثابت نہیں تو ممکن ہے ان کے "غزالی" کہلانے کی کوئی دوسری وجہ ہو ــــ پس ضروری نہیں کہ غَزّالی (مشدد) کو صحیح قرار دیکر اسے پیشہ کی طرف منسوب مانا جائے

(۲) معارف (اعظم گڑھ) کے فاضل مضمون نگار قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی نے لکھا ہے: "سب سے بڑی اور زندہ شہادت جو تشدید کی مؤید ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت شہر طوس (طابران) کے باہر امام صاحب کے خاندان کے کسی بزرگ کی قبر موجود ہے جس پر "غــزالی" بالتشدید کندہ ہے...... گو تشدید کی علامت بجائے ـّ کے صرف ـد ہے"[1]

ہمارے نزدیک اسے تشدید سمجھنا ہی اولاً صحیح نہیں، ممکن ہے یہ، لفظ کی خالی جگہوں کو پُر کرنے اور انھیں مزین کرنے والی علامتوں میں سے ایک ہو، جیساکہ عموماً کاتب حضرات ~ ، ~ ، ~ ، ~ ، و جیسی شکلیں الفاظ کے اوپر نیچے بنادیا کرتے ہیں ــ ثانیاً اگر اسے تشدید مان بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کے درمیان غَزّالی بہ تشدید ہی مشہور تھا، اس لئے انھوں نے اسی طرح عبارت کندہ کرائی ۔ اس سے اصل حقیقت پر تو پردہ نہیں پڑتا۔

پھر گارڈنر (W.R.W. Gardner) کی جس کتاب سے یہ شہادت نقل کی گئی ہے اس کا نام "Algazali" ایک ہی زیڈ (Z) سے ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف کے نزدیک یہ "سب سے بڑی اور زندہ شہادت" قابل قبول نہیں۔

(۳) ایک "بہت بڑی دلیل" یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ "غزالہ" طوس میں کسی گاؤں کا نام نہیں اس لئے غَزالی کے بجائے غَزّالی صحیح ہے ــــ اس مغالطہ کی حقیقت

---

[1] معارف (اعظم گڈھ) جون ۱۹۲۹ء ــــ ۲۳/۶/۱۶۔۱۴

پہلے واضح کر آئے ہیں۔ لہذا دوبارہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۴) اردو کی بعض کتب لغت میں غزّالی (بہ تشدید) کو غزالہ (بہ تشدید) کی طرف منسوب بتایا گیا ہے[۱]۔ میرے خیال میں غالباً ان کے مؤلفین نے اس لفظ سے متعلق زیادہ چھان بین نہ کی، بلکہ جو کچھ غلط سلط معلوم تھا اسے غیر ذمہ دارانہ طور پر لکھ دیا۔ ان کی یہ "تحقیق امیق" تمام مؤرخین اور محققین کی تصریحات کے خلاف ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

(۵) اس سے زیادہ حیرت مجھے میکڈونلڈ (D. B. Macdonald) پر ہے۔ وہ اس مسئلہ پر ایک طویل نوٹ کے اخیر میں لکھتا ہے: "یہ اقوال کسی صحیح اور یقینی نتیجہ تک رہنمائی نہیں کرتے اس لئے میں نے غزّالی کو مشدد ہی لکھنا شروع کیا ہے جسے مشرق میں عام طور پر سند قبول حاصل ہے[۲]"

گویا مشدد لکھنے کی کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے، البتہ چونکہ مشرق میں عام طور پر یہی رائج ہے اس لئے یہ قابل قبول معلوم ہوتا ہے ـــــ مگر ناظرین کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، علامہ احمد تیمور باشا (م ۱۹۳۰ء) نے صحیح صورت حال اس طرح بیان کی ہے:

المشہور الآن بین اهل العلم عندنا — ہمارے یہاں مصر میں اہل علم کے درمیان

---

[۱] لغات کشوری ص ۳۲۵ (منشی نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۲۶ء)؛ جامع اللغات ص ۴۹۴ (طبع دہم الہ آباد ۱۹۶۸ء)۔ غنیمت ہے کہ نور اللغات ۵۸۲/۳ (طبع لکھنؤ ۱۳۴۷ھ) میں غزالی یا غزالہ پر کوئی حرکت نہیں ہے۔

[۲] Journ of the Royal As Soc, 1902, PP.22; معارف جون ۱۹۲۹ء۔

مصر التخفیف ۔ ویندر فیہم من یشدد۔ تخفیف ہی مشہور ہے، شاذ و نادر ہی کوئی السا
أظنہ کذلک فی غیر مصر ایضا[۱] ملے گا جو تشدید پڑھتا لکھتا ہو، میرا خیال ہے
کہ مصر سے باہر بھی یہی صورت حال ہوگی۔

ں بھی اگر ہم ایک نظر مشرقی زبانوں پر ڈالیں تو ہر ایک میں عام رجحان تخفیف ہی کی طرف
ر آئے گا۔ اردو کے اشعار ہم نقل کر آئے ہیں۔ تمام میں تخفیف ہی کا استعمال کیا گیا ہے
لنے میں بھی عام طور پر تشدید کو ثقیل سمجھا جاتا ہے، اسی لئے تخفیف ہی زبان زد خاص و
م ہے — مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علامہ شبلی (م ۱۹۱۴ء) کی تشدید والی روش
یادہ کامیاب نہیں ہوئی۔ خود ان کے شاگرد رشید مولانا عبدالسلام ندوی (م ۱۹۵۶ء)
فیف کے حامی نظر آتے ہیں[۲]

عربی ادبا، و مؤرخین بھی تخفیف ہی کی طرف مائل ہیں[۳]۔ جرجی زیدان (م ۱۹۱۴ء) جیسے
د ہی اشخاص ایسے ملیں گے جنھیں تشدید پر اصرار ہے[۴]

فارسی میں تخفیف اور تشدید دونوں رائج ہیں، البتہ ترکی زبان میں ایک کتاب
م غزّالی" تالیف کردہ رضاء الدین بن فخر الدین کا پتہ چلا ہے، اس پر تشدید کی علامت

---

۱ ضبط الاعلام ص ۱۱۰۔

۲ دیکھیے: حکمائے اسلام ۱/۳۸۶۔۳۸۷ (طبع اعظم گڈھ ۱۹۵۳ء)۔

۳ دیکھیے — زرکلی: الاعلام ۷/۲۴۸؛ ۱/۲۰۸ (طبع دوم)؛ ڈاکٹر زکی مبارک: الاخلاق
د الغزالی ص ۲۹؛ محمد لطفی جمعہ: تاریخ فلاسفۃ الاسلام فی المشرق والمغرب ص ۴۳، (طبع مصر ۱۹۲۷ء)
— وغیرہ بہت سے حضرات جنھوں نے غزالی پر کوئی کتاب یا مقالہ لکھا ہے۔

۴ دیکھیے: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ ۳/۹۷ (طبع مصر ۱۹۱۴ء)؛ الہلال (مصر): پندرہواں
سال ص ۳۲۳۔

سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکی میں اسی کا رواج زیادہ ہے۔

رہی مغربی زبانیں، تو ہم بلا کسی تردد کے کہہ سکتے ہیں کہ انگریزی، فرنچ، جرمن ہر ایک میں شاذ و نادر ہی کوئی ڈبل زیڈ (zz) لکھتا ہو۔ ورنہ تمام اہل قلم مصنفین اور مقالہ نگار ایک ہی زیڈ (z) کا استعمال کرتے ہیں۔ ان کی ایک لمبی چوڑی فہرست میرے پاس موجود ہے اسے یہاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

خاتمۂ کلام اوپر کی تفصیلات سے واضح ہو گیا ہوگا کہ قائلینِ تشدید کا موقف دلائل کی روشنی میں کمزور ہے۔ اس کے برخلاف قائلینِ تخفیف بجا طور پر صحیح پہلو اختیار کئے ہوئے ہیں۔

میں نے متقدمین کے تمام اقوال و آرا بلا کسی نقص و تغیر کے نقل کئے ہیں، متاخرین نے چونکہ ان ہی سے التقاط کیا ہے اس لئے ان کی تصریحات ان ہی مواقع پر پیش کی ہیں جہاں ضرورت محسوس ہوئی، ورنہ عام طور پر ان سے استناد نہیں کیا ہے۔ قارئین میں سے بعض حضرات اگر میرے استنتاج سے متفق نہ ہوں تو وہ ضرور اپنی رائے دلیل کے ساتھ پیش کریں۔

گزارش

خریداری برہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلے میں خط و کتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں تاکہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ اس وقت بے حد دشواری ہوتی ہے جب ایسے موقع پر آپ صرف نام لکھنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ اور بعض حضرات تو صرف دستخط ہی کو کافی خیال کرتے ہیں۔